Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:11 (1982)

فن تاریخ نگاری میں مسلمانوں کی خدمات

پروفیسر سعید اختر

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو محفوظ کرنے کے لئے عربوں میں سیرت نگاری کا فن معرضِ وجود میں آیا اور غزوات و سرایا کی تفصیل قلم بند کرنے کے لئے علم مغازی کی ابتدا ہوئی۔ یہی علم سیر و مغازی فن تاریخ نگاری کا ابتدائی زینہ ثابت ہوا۔ سیرت و مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں محمد بن اسحاق نے "السیرۃ المبتدا والمغازی" تالیف فرمائی۔ جس سے بعد کے سیرت نگاروں اور مؤرخوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ تاہم سیرت نگاری کے میدان میں سب سے زیادہ ابن ہشام نے شہرت حاصل کی۔ جنہوں نے ابن اسحاق کی تالیف کی اتنی دیانت اور محنت سے تہذیب و اصلاح فرمائی کہ لوگ اصل نسخے سے بے نیاز ہو گئے۔ اسی زمانے میں اصمعی نے فتوح السلاطین میں عربوں کی معاشرتی و تہذیبی زندگی کو محفوظ کر دیا۔ الواقدی نے صدر اسلام کی تاریخ اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مغازی سے متعلق بڑا تحقیقی ذخیرۂ معلومات اپنی متعدد تالیفات خصوصاً کتاب المغازی میں جمع کر دیا۔ ابن سعد نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے حالات زندگی پر طبقات ابن سعد جیسی ضخیم کتاب لکھ کر سیرت نگاری کے دائرے کو وسعت بخشی۔

مسلمان مورخین نے تیسری صدی ہجری میں علم سیرت و مغازی سے اپنا قدم فن تاریخ نویسی کی طرف بڑھایا۔ جس کا ابتدا سے ہی رجحان عالمی و آفاقی تھا۔ ابو حنیفہ دینوری نے عربوں کے علاوہ ایرانیوں کی تاریخ سپردِ قلم کی۔ ابن قتیبہ نے اس پہلو پر خصوصی توجہ دی کہ نہ تمام اقتدار ایک

حکمران سے دوسرے فرمانروا کی جانب اور ایک خانوادے سے دوسرے خانوادے کی طرف کیونکر منتقل ہوتی ہے؟ البلاذری نے نہ صرف عربوں کے معرکوں اور فتوحات کی ایمان افروز روداد قلم بند کی بلکہ تہذیبی، عمرانی اور معاشی مسائل پر قلم اٹھا کر تاریخ کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کر دیا ابن الواضح لیعقوبی نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بابرکت دور سے لے کر خلیفہ المعتمد کے زمانے تک کتاب "التاریخ الکبیر" کے نام سے مفصل تاریخ اسلام قلم بند کی۔ امام محمد بن جریر طبری نے تاریخ نگاری میں محدثین کا سا انداز تحقیق اختیار کرکے اور ہر واقعہ کی اسناد کے سلسلوں کو متعین کرکے اسلامی تاریخ نگاری کو ابتدائی دور میں ہی علمی و فنی رفعتوں سے ہمکنار کیا۔

چوتھی صدی ہجری، تاریخ نگاری کے عنفوان شباب کا عہد ہے۔ اس دور میں ہمیں دو مورخ بڑے ممتاز نظر آتے ہیں۔ ایک المسعودی اور دوسرے ابن مسکویہ! المسعودی نے حکمران خاندانوں کی ترتیب کے لحاظ سے اخبار الزمان لکھی جس میں مضامین کا تنوع بھی ملتا ہے اور فلسفیانہ بصیرت کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ مزید برآں علامہ المسعودی نے فن تاریخ اور علم جغرافیہ کو باہم دگر مربوط کر دیا۔

ابن مسکویہ نے (اپنی فلسفیانہ تالیف "تجارب الامم" میں) ایک طرف جنگی تدبیروں، حکومت کے نظم و نسق اور سلطنت کے محاصل و مصارف پر فاضلانہ مباحث قلم بند کئے اور دوسری طرف اپنی حریت فکر اور فلسفیانہ ژرف نگہی سے فن تاریخ کو چار چاند لگا دیئے۔ تاریخ نگاری میں تنقیدی بصیرت، اور فلسفیانہ درک اس دور کے مورخین کی اہم ترین خصوصیت ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں جن لوگوں نے علم تاریخ پر قلم اٹھایا وہ اپنے دور کے نامور محدث بھی تھے اور جید علماء بھی! مثلاً خطیب بغدادی اور ابن عساکر! ان ہر دو مورخین نے ان مشہور شہروں (دارالسلطنتوں) کی تاریخ لکھی جو اس زمانے کی ملکی سیاست میں بڑا اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ خطیب بغدادی نے بغداد (عروس البلاد) کی تاریخ بیس جلدوں میں

قلم بند فرمائی جس میں عباسی دارالحکومت کے محلوں، دفتروں، مسجدوں اور سرکاری عمارتوں کا مفصل تذکرہ ہے۔ دوسری طرف بغداد کے مشاہیر، مثلاً امراء، خلفاء، علماء اور محدثین کرام کے سوانح حیات کا بیان ہے۔ خطیب بغدادی کے اسلوب پر ابن عساکر نے دمشق کی تاریخ مرتب فرمائی اور اسی جلدوں میں اموی دارالسلطنت (دمشق) کے مصنفین اور محققین کے حالات بڑی شرح وبسط سے بیان فرمائے اور یہ ثابت کر دیا کہ دمشق دوبارہ بساط سیاست پر اُبھر رہا ہے اور اپنی عظمت رفتہ کی متاع گراں بہا کی بازیافت کر چکا ہے۔ بظاہر یہ ہر دو تالیفات دو دارالسلطنتوں کے احوال و کوائف پر مشتمل ہیں۔ اگر ان کے مباحث کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ہمارے سامنے اس دور کی معاشرتی تمدنی، تہذیبی اور معاشی زندگی کا پورا نقشہ آجاتا ہے اور مستشرقین کے اس بے بنیاد الزام کی بے وقعتی ظاہر ہو جاتی ہے کہ مسلمان مورخین نے محض بادشاہوں کے حالات قلم بند کئے ہیں اور عمرانی و تہذیبی مباحث پر پوری توجہ نہیں دی ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے مورخوں میں ابن جوزی اور ابن اثیر کے نام سرفہرست ہیں دونوں اکابر اپنے وقت کے متبحر عالم اور نامور محدث تھے۔ ابن جوزی نے المنتظم کو تاریخ اور سوانح کا انوکھا اور اچھوتا مجموعہ بنا دیا۔ انہوں نے علمائے دین اور محدثین کے حالات پر خصوصی توجہ فرمانے کے دوش بدوش مختلف ادوار کی علمی، سیاسی، معاشرتی، تمدنی اور تہذیبی حالت کا واضح و جامع نقشہ کھینچ دیا۔ ابن اثیر نے بھی "الکامل فی التاریخ" میں عالم اسلام کی ابتدائی چھ صدیوں کے حالات بڑے اختصار اور بڑی جامعیت سے پیش کر دیئے۔ اور حقائق اور واقعات کی تہذیب و تنقیح میں غیر معمولی کدوکاوش کا ثبوت دیا۔

ساتویں صدی ہجری کے مورخین نے تذکرہ نویسی کے میدان میں (جو علم تاریخ کی اہم شاخ ہے) اپنے جوہر دکھائے۔ جن میں سے یاقوت حموی اور قاضی ابن خلکان دونوں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں یاقوت حموی نے کوفہ، بصرہ، خراسان، حجاز، یمن، مصر، شام، الغرض تمام ممالک اسلامیہ کے ادیبوں، شاعروں، نسابوں، مورخوں، مصنفوں اور عالموں کے مختصر سوانح حیات قلم بند کئے۔ تقریباً

پچاس برس بعد قاضی ابن خلکان نے اپنی شہرہ آفاق تالیف "وفیات الاعیان" ترتیب دی۔ جس میں انہوں نے صرف سلاطین، وزرار، علما، فقہا، ادبا، شعرا غرضیکہ ہر طبقہ کمال کے ممتاز افراد کے حالات مرتب کئے بلکہ مختلف مذہبی، کلامی، سیاسی، علمی، فکری، تحریکوں کے بارے میں بیش قیمت سرمایہ علم فراہم کر دیا ایسے تذکروں کی تاریخی قدر و قیمت کے بارے میں استاذ محترم ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"خلفار اور وزرار کو چھوڑ کر دوسرے مشاہیر کے سوانح حیات بھی اس لحاظ سے تاریخی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان سے قدیم زمانے کی علمی و تعلیمی حالت کے علاوہ عام تمدن و معاشرت پر بھی قابل قدر روشنی پڑتی ہے اور دراصل یہی وہ چیزیں ہیں جو فن تاریخ کی جان ہیں خوش قسمتی سے عربی زبان میں ہر قسم کے مشاہیر پہ بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن کی مدد سے عام تاریخوں کے سادہ خاکے میں بہت کچھ رنگ بھرا جا سکتا ہے۔" (۱)

آٹھویں صدی ہجری میں ابوالفدا اور علامہ ذہبی اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر مورخ پیدا ہوئے جنہوں نے ایک طرف اقوام قدیمہ کے مختصر تاریخی حالات کے بیان کے بعد ظہور اسلام سے لے کر تقریباً سات صدیوں کے سیاسی و تمدنی حالات سنین وار درج کئے اور عمومی تواریخ لکھیں۔ اور دوسری طرف انہوں نے روایات کی جانچ پڑتال میں غیر معمولی مؤرخانہ کاوش و مہارت کا ثبوت دیا۔ خصوصاً علامہ ابن کثیر نے فن درایت کو فن تاریخ نویسی کی بنیاد بنایا اور تاریخی روایات کی تہذیب و تنقیح کا حق ادا کر دیا اور ایسی متعدد معروف لیکن ضعیف روایات کو مسترد کر دیا جو مسلمانوں کے سرمایہ تاریخ میں شامل ہو کر ذہنوں کو پراگندہ کر رہی تھیں اس دور کو تاریخی روایات کی تہذیب، تنقیح اور تحقیق کا زرین دور قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی آٹھویں صدی کے عظیم ترین مورخ علامہ ابن خلدون ہیں جنہوں نے کتاب العبر کی پہلی جلد (مقدمہ ابن خلدون) میں عمرانیات، اجتماعیات، اقتصادیات اور سیاسیات کے متنوع عنوانات پر خیال افروز بحثیں کر کے تاریخ کے موضوع کو بے پایاں وسعت عطا فرمائی اور تاریخی

حقائق و مباحث پر فلسفیانہ بحثیں کر کے عمرانیات اور فلسفہ تاریخ جیسے جدید فنون کی طرح ڈالی المقریزی نے مقدمہ ابن خلدون کے بارے میں سچ کہا تھا کہ ایسی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ اور یہ امر مشکل ہے کہ کوئی شخص باوجود کوشش کے اس کے درجہ تک پہنچ سکے۔

کَمْ یُعْمَلْ مِثَالُهَا وَ اِنَّهٗ لَعَزِیْزٌ اَنْ یُّنَالُ مُجْتَهِدٌ مِثَالُهَا۔ (۲)

نویں صدی ہجری میں مصر اور شام کے ملکوں میں بہت سے جلیل القدر اور عظیم المرتبت مؤرخ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تاریخ کے فوائد و فضائل پر مفصل بحثیں کیں تاکہ اہل علم کی توجہ اس گراں قدر علم سے نہ ہٹنے پائے۔ مثلاً علامہ مقریزی اور علامہ سخاوی وغیرہ۔ اول الذکر محقق کی تین تالیفات کو سامنے رکھا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دولت عباسیہ تک تمام اسلامی ممالک کی تاریخ سامنے آجاتی ہے بلکہ بعد کے ادوار مثلاً ایوبی خاندان اور مملوک خاندانوں کے احوال پر بھی ان کی تالیفات اپنی مثال آپ ہیں۔ ثانی الذکر مؤرخ علامہ سخاوی نے علم تاریخ کی چالیس انواع پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ مثلاً پیغمبروں، وزیروں، کاتبوں، قاریوں، محدثوں، مؤرخوں، نحویوں ادیبوں، شاعروں اور طبیبوں کی تاریخ مرتب کی۔ ان جملہ انواع تاریخ پر دستیاب کثیر تالیفات کی فہرست کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علامہ ممدوح کے دور تک تاریخ نویسی کے میدان میں کتنی ترقی ہو چکی تھی۔

دسویں صدی کے سب سے نمایاں مورخ جلال الدین سیوطی ہیں جو حسن ترتیب اور حسن تہذیب میں اپنے پیشرو مورخین پر سبقت لے گئے یہ تو تھے مشرقی بلاد اسلامیہ کے مورخین!

اب ایک طائرانہ نظر اندلس کے مسلمان مؤرخین پر بھی ڈال لی جائے جن میں ابن صاعد اندلسی اور لسان الدین بن خطیب زیادہ نامور ہوئے۔ ابن صاعد اندلسی کی طبقات الامم آٹھ متمدن اقوام کے مذاہب زبانوں، علوم اور ادبیات کی دائرۃ المعارف ہے جسے تالیف کرنے میں انہیں مشرق و مغرب کے تمام مصنفین و محققین پر شرف تقدم حاصل ہے۔ اندلس کے دوسرے نامور مورخ لسان الدین بن خطیب ہیں جنہوں نے نہ صرف اندلس کے علماء، فضلاء، قضاۃ، شعراء

فقہاء، محدثین، مصنفین، محققین کے سوانح حیات قلم بند کئے ہیں بلکہ غرناطہ کی تہذیب، ثقافت معاشرت، اور اخلاقی حالت کا بڑے دلکش پیرائے میں نقشہ کھینچ دیا ہے۔ مزید برآں مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب پر فاضلانہ بحثیں قلم بند کرکے انہیں مستقبل کے نتائج و عواقب سے آگاہ فرمایا ہے۔

مسلم تاریخ نویسی کی اہم خصوصیات

مسلمان تاریخ نگاروں کی ایک ہزار سالہ، ناقابل فراموش خدمات کا جائزہ لینے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تاریخ نویسی کی نمایاں خصوصیات زینت قرطاس کردی جائیں۔

ظہور اسلام سے قبل عربوں کے پاس کوئی تاریخی سرمایہ موجود نہ تھا۔ ان سے پہلے یونان کے مؤرخین تاریخ کے میدان میں داد تحقیق دے چکے تھے۔ اسی طرح اگر تجسس اور تفحص سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ مسلمان محققین و مترجمین نے علم تاریخ کے موضوع پر نہ یونانی کتب کا ترجمہ کیا نہ ان سے استفادہ کیا۔ سب جانتے ہیں کہ علم طب میں مسلمانوں نے یونانی اطبار کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا اور اپنے استفادے کا اعتراف کرتے ہوئے اسلامی طب کا نام ہی یونانی طب رکھ دیا۔ بنابریں اگر مسلمانوں نے اہل یونان سے فن تاریخ نویسی میں کچھ اخذ کیا ہوتا تو وہ ضرور اس کا فراخ دلی سے اقرار کرتے۔ ہمارے نزدیک عربوں کے ہاں تاریخ نگاری کے فن کا وجود ان کی مجتہدانہ بصیرت اور تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر و عکاس ہے جنہیں قرآن حکیم کی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی نے جلا بخشا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ نہ مسلمانوں کو ایام جاہلیت سے تاریخی سرمایہ ورثے میں ملا اور نہ انہوں نے دوسری اقوام سے اس شعبہ علم میں فیض پایا۔

۱۔ سرکاری دباؤ سے بے نیازی

مسلمان مورخین نے بنیادی طور پر اپنی قوم کے مشاہیر کی یادوں کو زندہ رکھنے اور اپنی قوم وملت

کی معلومات میں وسعت پیدا کرنے کی غرض سے تالیفات مرتب کیں۔ شعبہ تاریخ میں بہت کم ایسی کتابیں لکھی گئی ہوں گی، جن کا مقصود بادشاہوں سے انعام و اکرام حاصل کرنا ہو۔ مسلمان قوم کے ہاں ایسے مورخین کی مثالیں بہت شاذ ہیں جو کسی حاکم یا فرمانروا کے دربار سے باقاعدہ وابستہ رہے ہوں اور انہوں نے اس کی فرمائش کی تعمیل میں یا اس کی خوشنودی کی خاطر کوئی تاریخی تالیف سپرد قلم کی ہو۔ والشاذ کالمعدوم !

یہ درست ہے کہ ابراہیم صابئی نے عضد الدولہ کی فرمائش پر، اور عتبی نے تاریخ یمینی حاکم وقت کے حکم سے مرتب کیں۔ یا ابن طقطقی نے اپنی تالیف فخر الدین عیسٰی حاکم بصرہ کے نام معنون کی مسلمانوں کے ہاں مورخین کا ایک ان گنت سلسلہ ہے جو آزادانہ طور پر اپنی تالیفات قلم بند کرتے رہے۔

مثلاً طبری، لیعقوبی، مسعودی، ابن خطیب اور ابن خلدون وغیرہ۔

۲۔ حریت فکر و آزادی رائے

امام طبری نے نہ صرف حریت فکر و اظہار رائے کے لئے سرکاری مناصب کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا بلکہ جس خلیفہ (ابن المعتنر) کے زمانے میں تاریخ الرسل والملوک مکمل کی اس کی تعریف و ستائش میں ایک حرف نہ لکھا۔ ابن مسکویہ نے عضد الدولہ کے دور میں اپنی فاضلانہ تالیف "تجارب الامم" لکھی۔ لیکن اپنے محسن و مربی کی شخصیت کے روشن پہلوؤں کو زیر بحث لانے کے ساتھ ساتھ اس کی سیرت کے کمزور پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی۔ ابن قتیبہ عباسی دور کا مورخ ہے۔ لیکن وہ عباسی خلفاء کی نسبت اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا زیادہ مداح و معترف ہے اور وہ عباسی خلفاء کی ناراضگی خاطر میں نہیں لایا۔ اسی طرح وہ اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے دور میں انصاف اور رعایا پروری کا ذکر کرتا ہے اور اسے عباسی فرمانرواؤں کے احتساب و مواخذے کا اندیشہ لاحق نہیں ہوتا۔

ابن حجر عسقلانی کو بارہا قاضی القضاۃ کے منصب سے ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن انہوں نے

حق گوئی اور بے باکی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

۳۔ سنین کے بیان کا التزام

مسلمان مورخین کو تاریخ میں یہ شرف و امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے ہر واقعے کے ساتھ اس کی تاریخ وقوع کی صراحت کی ہے۔ اور ابتدائی دور کے جملہ مورخین، سن، مہینہ اور تاریخ درج کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ (مثلاً طبری، مسعودی وغیرہ) اس کے برعکس مغربی تاریخ نگاروں نے سولھویں صدی سے پہلے اپنی تاریخی تالیفات میں سنین و تاریخ کی تصریح کا کبھی التزام نہیں کیا۔ جیسا کہ فاضل مستشرق بکل نے اپنی محققانہ تصنیف تاریخ تہذیب میں یوں اعتراف کیا ہے کہ :۔

" یونان کے مورخ ہوں یا روما کے تاریخ نویس یا بائیبل کے شارح ان میں سے کسی نے ۱۵۹۷ء سے پہلے ماہ و سنین لکھنے کا اہتمام نہیں کیا۔"

۴۔ اسناد کے بیان کا اہتمام

تاریخ عالم میں صرف مسلمان مورخین نے یہ التزام کیا ہے کہ کسی واقعے کے راوی یا راویوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اور اگر کوئی واقعہ مختلف سلسلوں سے پہنچتا ہے تو ان تمام سلسلوں کا تذکرہ کیا جائے۔ یونانی اور رومی مورخین کی کتابیں آج ہمارے سامنے ہیں بالیقین ان میں کوئی ایک مورخ بھی ایسا نہیں جس نے اپنی معلومات کا اصل مآخذ بیان کیا ہو لیکن طبری، بلاذری اور تنوخی کی فن تاریخ کی کتابوں پر سرسری نظر ڈالئے تو آپ کو ہر جگہ روایت سے پہلے راوی (راویوں) یا سلسلہ اسناد کا تذکرہ ملے گا۔ عقل محو حیرت ہے کہ مورخین اسلام نے کس طرح ابتدائی دور میں ہی ہر واقعے کے چشم دید راوی یا راویوں کے نام محفوظ کر دیئے! نیز کسی واقعے کے صحیح محل وقوع اور اس کی تاریخ وقوع کا تعین کیا۔ قانون شہادت انسانی معاشرے اور عدالتوں میں صدیوں سے برتا جاتا تھا لیکن مسلمان ہی وہ پہلی قوم ہیں جنہوں نے اس قانون شہادت کو علم حدیث اور علم تاریخ دونوں پر منطبق

کیا۔ اور ہر تاریخی واقعے کے چشم دید اور گوش شنید گواہ تلاش کرنے کی سعی کی۔ جس کی بدولت تاریخ داستانوں اور افسانوں کی سطح سے بلند ہو کر قابل اعتماد اور لائق استناد حقائق کا مجموعہ و مرقع بن گئی۔ لاریب تاریخ کا یہ وہ بلند معیار ہے جس پر آج بھی دنیا کی کوئی مہذب و متمدن قوم نہیں پہنچ سکی۔

۵۔ آفاقیت

دنیا کی اکثر و بیشتر قوموں کو صرف اپنی تاریخ پر فخر رہا اور ہمیشہ دوسری اقوام کو نظر انداز کرتی رہی ہیں۔ لیکن مورخین اسلام نے آدمؑ سے لے کر دنیا کی تمام قدیم اور ہم عصر اقوام کے حالات کو علی الترتیب بیان کیا۔ کیونکہ وہ تمام مخلوق انسانی کو خدا کا کنبہ سمجھتے تھے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

مسلمانوں کے ابتدائی مورخین میں سے دینوری نے عربوں کے علاوہ عجمیوں کے حالات قلم بند کر کے تاریخ میں آفاقیت پیدا کر دی ہے۔

علامہ طبری نے اپنی کتاب کی تمہید میں انبیائے سابقین کے حالات بھی بیان کئے اور مختلف قوموں کے نامور سلاطین (خصوصاً ساسانی دور) کے مفصل احوال قلم بند کئے۔ عالمگیر تاریخوں کے سلسلے میں سب سے زیادہ شہرت رشید الدین بن فضل اللہ کی تاریخ کو حاصل ہے کہ جنہوں نے مسلمان خلیفوں کے ساتھ عیسائی رہنماؤں، بادشاہوں کے ساتھ پیغمبروں اور مسلمانوں کے ساتھ رومی، بازنطینی، ہندی و چینی، ایرانی و تورانی قوموں کے مفصل حالات بڑی محنت و عرق ریزی سے جمع کئے اور بڑے سلیقے اور قرینے سے مرتب کر دیئے۔

۶۔ تالیفات کی تدریس

مسلمان مورخین اس لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ ہیں کہ اپنی تصانیف کا خود درس دیا کرتے تھے یا پھر ان کے لائق ترین شاگرد درس دیتے جنہیں باقاعدہ اپنے استاد کی طرف سے اجازت حاصل

ہوتی۔ اس تدبیر کی بدولت تاریخ کی کتب کے مسخ ہونے، یا ان کے مضامین و مطالب کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ جاتا رہا اور اس قابل تحسین روایت کی بدولت یہ شعبۂ علم یگانوں کی غفلت شعاریوں اور بیگانوں کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ و مصئون ہوگیا۔ آج بھی ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ کون لوگ علامہ طبری سے کتاب الرسل والملوک کا درس سننے کے لئے حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ مثلاً ابن اثیر مؤلف "الکامل" نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ بھی تہ کیا اور ان سے روایت کی باقاعدہ اجازت بھی لی۔

۷۔ تاریخ پر حکیمانہ نظر

مسلمانوں کے ہاں اہل یورپ سے صدیوں پہلے تاریخ پر حکیمانہ و فلسفیانہ انداز میں غور و فکر کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ابن مسکویہ کی تجارب الامم ابن طقطقی کی کتاب الفخری ابن خلدون کا "مقدمہ" یہ تالیفات اس دعویٰ کے بیّن ثبوت ہیں۔ ان مورخین نے پہلی مرتبہ نہ صرف تاریخ کے اصولی مباحث متعین کئے اور واقعات میں علّت و معلول کا رشتہ جوڑا بلکہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و محرکات پر بھی غور کیا اور ماضی کے تجربات کے آئینے میں حال کی اصلاح و مستقبل کی تعمیر کے لئے عاقلانہ اور دانشمندانہ مشورے دیئے۔

۸۔ سرمایۂ تاریخ کی جستجو

مسلمان مورخین نے تاریخ کا سرمایہ جمع کرنے کے لئے، جہاں کشائی اور جہاں گردی کی ایسی شاندار روایات چھوڑی ہیں جن کی نظیر اقوام عالم کے ہاں شاید و باید ملے۔ ہم یہاں مسعودی کی تالیف التنبیہ الاشراف سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ "جو شخص اپنے گھر سے باہر کبھی نہ نکلا ہو بلکہ اتنے ہی مبلغ علم پر قناعت کرلے جو اسے خود اپنے ملک کی تاریخ کے بارے میں حاصل ہو تو وہ اس شخص کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جس نے اپنی تمام عمر حضر کی بجائے سفر میں بسر کی ہو جس نے اپنی زندگی کے شب و روز صحرا

نوردیوں اور کشور گردیوں میں گزارے ہوں اور جس نے ہر طرح کی حیرت انگیز معلومات اور گراں مایہ اطلاعات بہم پہنچائی ہوں۔"(۳)

۹۔ کثرت تالیفات

مسلمانوں کے تاریخی ادب کی بے پایاں وسعت اور تالیفات کی کثرت کا صحیح اندازہ کرنا بڑا دشوار کام ہے۔ چنانچہ علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں اپنے پیشرو اسّی مورخین کا تذکرہ کیا ہے جن کی تالیفات سے انہوں نے استفادہ کیا۔ محمد اسحاق ابن ندیم نے کتاب الفہرست" میں سینکڑوں تاریخی کتابوں کی فہرست پیش کی ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں حافظ ذہبی نے علم تاریخ کی چالیس اقسام پہ سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور حافظ مغلطائی نے اپنے دور میں ایک ہزار تاریخ کی کتابوں کی صرف ایک کتب خانے میں ورق گردانی فرمائی۔ حافظ سخاوی نے علم تاریخ کے فوائد پہ ایک رسالہ بعنوان "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" تحریر فرمایا جس میں انہوں نے سینکڑوں مورخین کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے۔ جرمن مستشرق ولیٹسن فلیٹ نے پہلی دس صدیوں کے مورخین اسلام کی تالیفات کا جائزہ لیتے ہوئے تخمینہ لگایا ہے کہ ان کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی ہے۔ ان گوناگوں اعداد و شمار سے مسلمانوں کی علم تاریخ میں گراں قدر خدمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مقدمۃ المقدمہ لابنِ خلدون، ترجمہ ڈاکٹر عنایت اللہ ص ۲۰

۲۔ الخطط..... للمقریزی

۳۔ ابتدائیہ...... التنبیہ والاشراف، ترجمہ مولانا عبداللہ العمادی ص ۱۷